بانی: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ
قدّس اللّٰہُ سِرّہُ السّعید مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

رحیمیہ لاہور

ماہنامہ

مدیر اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابع

مجلس ادارت
سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

جنوری 2015ء/ربیع الاوّل 1436ھ

جلد نمبر 7، شمارہ نمبر 01 - قیمت: 20 روپے

سالانہ ممبرشپ: 200 روپے - تین سالہ ممبرشپ: 500 روپے

- میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- طلوعِ آفتابِ نبوت
- سیرت کی روشنی میں جماعت سازی کی اہمیت
- آمدِ رسولؐ ؛ اظہارِ محبت کے تقاضے
- ماہِ ربیع الاوّل ؛ قومی وملّی تقاضے
- نیا افغانستان
- مجالس ؛ افاداتِ علم وحکمت
- انسانی معاشرے کی ترقی کے چار اُصول
- نبی اکرمؐ سے محبت کا عملی اظہار اور نتیجہ
- نبی اکرمؐ کے کیے گئے معاہدات کی بنیادیں
- گفتگو کے آداب
- سماجی ترقی میں خواتین کا کردار
- حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے اَخلاقِ عالیہ
- حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ
- حضرت رائے پوری کا دورۂ قصور
- نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- سانحۂ پشاور
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ

مسند نشین ثانی
خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فرمایا: ''اسلام میں اَخلاق (وعادات) کا اِنسلاخ (مکمل خاتمہ) نہیں ہوتا، بلکہ (اُن کا) رُخ بدلتا ہے، جتنی طاقت ہو۔ اس کو اگر رضائے الٰہی کے لیے استعمال کیا جائے تو وہ ''اَخلاقِ حمیدہ'' ہیں اور اس کے خلاف (استعمال کیا جائے تو) ''اَخلاقِ رذیلہ'' ہے۔

جن (حضرات) میں زیادہ طاقت (اور قوت) ہوتی ہے، ان کا مجاہدہ بھی زوردار ہوتا ہے اور ان پر (کیفیات اور) حالات بھی بہت عجیب آتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ بڑے سخت تھے، مگر اسلام (قبول کر لینے کے) کے بعد وہ سختی مخالفینِ اسلام کے لیے ہوگئی، باہمی طور پر کچھ نہ رہی۔ (حدیثِ نبویؐ کا) یہ ٹکڑا مجھے بھی یاد ہے:

''خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الإِسْلاَمِ.''

(زمانۂ جاہلیت میں جو تم میں بہتر تھے، وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں)''

(مجلس 12/رمضان المبارک 1365ھ/10/اگست 1946ء۔ مقام: رائپور)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 137۔ طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

کراچی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس، A.16 موریہ خان سوسائٹی، عقب سٹار گیٹ
نزد ائیر پورٹ، شاہراہ فیصل، کراچی
0092-021-34600000 , 021-34600001

راولپنڈی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس، N.A-7، سید پتھر روڈ
سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی
0092-51-4581357-58

ملتان کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 30/A، سٹریٹ نمبر 2، خان کالونی
چونگی نمبر 7، ایل ایم کیو روڈ، ملتان
0092-61-6212021

سکھر کیمپس
فلیٹ نمبر 1st, 111 فلور، رائل اپارٹمنٹ
ریس کورس روڈ، سکھر
0092-71-5615185

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تشریح: حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

(محمد باپ نہیں کسی کا تمھارے مردوں میں سے، لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب نبیوں پر۔ اور ہے اللہ سب چیزوں کو جاننے والا۔) (40:33)

بزرگانِ محترم! یہ مجلس میلاد النبی ﷺ کے نام سے منعقد کی گئی ہے۔ گویا اس کا موضوع نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کا ذکر ہے۔ آپؐ کی دو ولادتیں ہیں: ایک آپؐ کی جسمانی ولادت ہے، جو 12 یا 8 ربیع الاول کو علی اختلاف الاقوال ہوئی۔ اور دوسری روحانی ولادت ہوئی، جب چالیس برس بعد آپؐ نبی اور پیغمبر کی حیثیت سے ظاہر ہوئے۔ جسمانی ولادت پر آپؐ کے جسمانی کمالات و امتیازات ظاہر ہوئے تو روحانی ولادت پر آپؐ کے فکر و نظر اور نبوی کمالات ظہور پذیر ہوئے۔ گویا آپؐ کی سیرت، آپؐ کی جسمانی اور روحانی دونوں ولادتوں کے تذکرے کا نام ہے۔ سیرت کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا گیا کہ آپؐ کے اَخلاق کیا تھے؟ تو فرماتی ہیں کہ جو قرآن ہے، یہ آپؐ کا اَخلاق ہے۔ جسے اَخلاق دیکھنے ہوں، قرآن دیکھ لے۔ تو قرآن کے عجائبات، قیامت تک تمام نہیں ہوں گے۔ اسی طرح سیرت کے کمالات بھی لامحدود ہیں۔ اسلام آپؐ کے خلقِ عظیم ہی سے پھیلا ہے، نہ کہ تلوار کے زور سے۔ آپؐ کا صبر، آپؐ کی رحمت، آپؐ کی شجاعت، آپؐ کی سخاوت، یہ آپؐ کے اَخلاقِ ربانی تھے کہ جنھوں نے واضح کیا کہ آپؐ اللہ کے پیغمبر اور اس کے رسول ہیں۔ آپؐ کے اَخلاقِ عالیہ کے باعث ہی لوگ دین کی طرف آتے تھے۔ آپؐ فرماتے ہیں: کسی نبی کو وہ اذیتیں نہیں اٹھانی پڑیں، اپنی قوم سے جتنی سختیاں مجھے جھیلنی پڑیں۔ جتنی تکلیف مجھے پہنچی۔ حال آں کہ بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ نوح علیہ السلام کو زیادہ تکلیف پہنچائی گئی۔ ساڑھے نو سو برس تبلیغ فرمائی اور قوم ان کا مذاق اڑاتی رہی۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے تکلیفیں پہنچیں۔ آپؐ کو اتنی نہیں پہنچیں۔ پھر کیوں فرما رہے ہیں کہ جتنی اذیتیں مجھے پہنچیں، وہ کسی کو نہیں پہنچیں۔ اس کی بنا یہ ہے کہ اذیت تب زیادہ پہنچتی ہے، جب شفقت زیادہ ہوتی ہے۔ جتنی آپ کو کسی سے محبت ہوگی، اس سے اگر آپ کو تھوڑی بھی تکلیف پہنچے گی تو زیادہ محسوس ہوگی کہ اسے تکلیف پہنچانے کا حق نہیں تھا۔ میں تو اتنی محبت کروں اور یہ ایذا پہنچائے؟ اگر دشمن آپ کو گالیاں بھی دے، آپ خیال بھی نہیں کرتے، لیکن اگر آپ کا بیٹا ترچھی نگاہ سے دیکھ لے تو گھر سے نکال دیں گے۔ انتہائی صدمہ پہنچے گا۔ کیوں کہ اس سے یہ توقع نہیں تھی کہ جس پر اتنی شفقت اور رحمت ہو، وہ تکلیف پہنچائے۔ تو آپؐ کو چوں کہ اُمت کے حق میں بے حد شفقت تھی، بے حد رحمت تھی، اس لیے ان کی اذیت دُگنی اور تگنی ہو کر آپؐ کو لگتی تھی کہ میں تو اتنا شفیق اور میرے ساتھ یہ برتاؤ کریں؟ تو شدتِ شفقت کی وجہ سے اذیت زیادہ محسوس ہوتی تھی۔ حاصل یہ نکلا کہ صبر ہو، سخاوت ہو، شجاعت ہو۔ چوں کہ آپؐ خاتم الانبیا ہیں، اس واسطے اَخلاق میں بھی خاتم الاخلاق ہیں۔

درسِ حدیث

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ

طلوعِ آفتابِ نبوت

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ. سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى. أَمَّا بَعْدُ! فَإِنِّيْ أَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ. أَسْلِمْ تَسْلِمْ. الخ" (صحیح بخاری. باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللّٰہ)

(ہرقل شاہِ روم کے نام۔ بعد حمد و صلوٰۃ میں تجھ کو اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کر لے، تمام آفات سے محفوظ رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ تجھ کو دوہرا اجر عطا فرمائے گا۔ اور اگر تو نے انکار کیا تو تمام رعایا کا وبال تیری ہی گردن پر رہے گا۔ اے اہل کتاب! آؤ اس کلمے کی طرف جو تمھارے اور ہمارے درمیان برابر ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم ایک دوسرے کو اللہ کے سوا اپنا ربّ بنائیں۔ اور اگر تم کو اس سے انکار ہے تو تم گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔)

تقریباً چھ سو برس ہوئے کہ نبوتِ عیسوی کا دور گزر گیا۔ دنیا میں بسنے والی مخلوق نورِ نبوت اور فیضانِ رسالت سے محروم ہو چکی۔ جہالت و ضلالت کے تاریک بادل تہہ بہ تہہ جمع ہوتے اور شرک و کفر کی بارش برسا جاتے ہیں۔ کسی قوم یا کسی خاندان، کسی ملک یا کسی سرزمین کی تخصیص نہیں۔ عجم ہو یا عرب، مشرق ہو یا مغرب، کائنات کا ذرّہ ذرّہ خوابِ غفلت میں سرشار اور پردۂ ظلمت میں مستور ہے۔ بھائی سے بھائی کو محبت ہے نہ باپ کو بیٹے سے۔ شکل و صورت میں اگرچہ انسان ہیں، مگر خصائل و شمائل حیوانوں سے بھی بدتر۔

سرزمین عرب، لات و عزّیٰ اور نائلہ و ہبل پر فدا تھی تو عجم کے بسنے والے مہادیو اور کرشن کی مورتیوں کے پجاری، آگ کے پرستار اور شمس و قمر یا اہرمن و یزدان کے والہ و شیدا! غرض ربع مسکوں کا چپہ چپہ خدائے واحد، مالکِ حقیقی کو فراموش کر کے خود ساختہ اصنام پرستی میں مصروف و منہمک تھا۔ تقدیسِ الٰہی کا وہ خاص مقام، جو وادیٔ غیر ذی زرع یعنی کھیتی کی غیر آباد زمین میں "کعبہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور رحمتِ الٰہی کا وہ گہوارہ جس کی بنیاد ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام جیسے معماروں کے مقدس ہاتھوں سے رکھی گئی، دنیا کے بت کدوں میں سب سے بڑا اور عظیم الشان بت کدہ مانا جاتا تھا۔

یکا یک خدائے قدوس کے جلال و جبروت اور غیرت کو حرکت ہوئی اور وقت آ پہنچا کہ ظلمت کدوں کی ظلمت مٹ جائے۔ بت کدوں کے بُت فنا ہو جائیں۔ آتش کدوں کی آتش بجھ جائے۔ اور کرۂ عالم کا گوشہ گوشہ نورِ نبوت اور آفتابِ رسالت کی بے پایاں روشنی سے منوّر ہو جائے۔ یا یہ کہیے کہ دعائے خلیل اور بشارتِ عیسیٰ (علیہما الصلوٰۃ و السلام) کی قبولیت و اجابت کی تکمیل کا وقت آ گیا۔ ۹ ربیع الاول مطابق ۲۰ اپریل 571ء کی صبح وہ صبحِ سعادت تھی، جس میں آفتابِ رسالت نے پہلوئے آمنہ سے ہویدا ہو کر ظلمت کدۂ عالم کو بقعۂ نور بنا دیا۔ اور اس کی رحمت بھری شعاعوں نے کفر و ضلالت کی تاریکیوں کے تمام پردے چاک کر دیے۔

(بقیہ: صفحہ 10 پر)

www.rahimia.org

اداریہ

سیرت کی روشنی میں جماعت سازی کی اہمیت

ماہِ ربیع الاوّل میں سرکارِ دوعالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش مبارک کا تذکرہ باعثِ اجروثواب ہے۔ آپؐ کی پیدائش نوعِ انسانی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بہت بڑا انعام ہے۔ ماہِ ربیع الاوّل میں سیرت النبیؐ کے مختلف پہلوؤں پر غور وفکر کرنا نہ صرف اُخروی نجات کا ذریعہ ہے، بلکہ دنیاوی مصائب وآلام سے نجات کا بھی یقینی راستہ ہے۔ کیوں کہ آں حضرت ﷺ کی آمد وبعثت انسانیت کو ظلم وستم اور جبر واستحصال سے نجات کے لیے تھی۔ قابل غور امر یہ ہے کہ آپؐ نے ظلم وجبر کے طاقت ور نظام کے مقابلے کی کیا حکمتِ عملی اختیار کی، جسے آج ہم اسوۂ حسنہ اور نمونے کے طور پر اختیار کر کے اپنے دور کے استحصالی نظاموں کے مقابلے کی حکمتِ عملی مرتب کر سکیں۔

آپ ﷺ کی اجتماعی جدوجہد اور حکمتِ عملی کا اہم ترین پہلو ایک منظم اور تربیت یافتہ پارٹی اور جماعت کا قیام تھا۔ کیوں کہ اجتماعی تبدیلی اور انقلاب کے لیے پارٹی کا قیام ناگزیر ہوتا ہے۔ کوئی اجتماعی تبدیلی کوئی ایک فردِ واحد نہیں لاسکتا۔ خواہ وہ کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو۔ جماعت ایسے رفقائے عمل پر مشتمل ہوتی ہے، جو ایک دوسرے کو ہم خیال پاکر اجتماعی طور پر کام کرنے کے لیے کمربستہ ہوجاتی ہے۔ اور یوں ایک مضبوط اجتماعیت وجود میں آجاتی ہے۔ آپؐ نے جو جماعت قائم کی، اس میں اکثریت معاشرے کے پسے ہوئے طبقات اور اس دور کے نظامِ ظلم کے ستائے ہوئے بے نوا لوگ تھے، جن کی آواز پر اُس دور کے طاقت ور طبقات کان دھرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ آپؐ نے انھیں ایک لڑی میں پرو کر نظام کے مقابلے میں ایک طاقت ور جماعت میں ڈھال دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے یوں دعا گو ہوئے کہ: ''اے اللہ! مجھے مسکینوں کے ساتھ زندہ رکھ۔ مسکینوں کے ساتھ موت دے۔ اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر فرما۔'' (ترمذی)

کمزور، مسکین اور بے نوا لوگوں کے دلوں سے قومی اور بین الاقوامی نظامِ ظلم کا رعب ودبدبہ نکالتے ہوئے انھیں جرأت وہمت عطا کی۔ اور اس دور کے سامراج کو للکارتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''کسریٰ ہلاک ہوگا، پھر اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا۔ اور قیصر ضرور ہلاک ہوگا، اور پھر اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا۔ اور ضرور بالضرور ان دونوں کے خزانے اللہ کے راستے میں (مسکینوں اور محتاجوں کے لیے) تقسیم ہوں گے۔'' (بخاری) یوں رفتہ رفتہ قریش کا ایک ممتاز طبقہ آپؐ کی دعوت پر جمع ہوگیا اور انھیں اپنے ہی خاندان اور قوم کے اُن لوگوں کے خلاف سخت ترین جدوجہد کرنا پڑی، جو اس کمزور اور پسے ہوئے طبقے کی تحریک کے مخالف تھے۔ یہ مکہ کے ظالم اور ساہوکاروں کی وہ جماعت تھی، جنھوں نے مخصوص طبقے کے مفادات پر مبنی نظامِ ظلم قائم کیا ہوا تھا۔ تقریباً تیرہ سال تک مکے میں ان دونوں جماعتوں میں بڑے زور کی کشمکش رہی۔ ایک طرف رسول اکرمؐ کی قیادت میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت حمزہ، حضرت سعید اور حضرت مصعب وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین نوجوان تھے اور دوسری طرف قریش کے بوڑھے، عمر رسیدہ اور تجربہ کار ابوجہل، ابولہب، ولید، عتبہ اور اُن کی پارٹی کے لوگ تھے۔ لیکن آپؐ کی تربیت یافتہ جماعت نے اپنے پروگرام، نظم وضبط اور ڈسپلن کی بدولت نظامِ ظلم اور اس کی محافظ پارٹی کو شکست دے کر انسانیت کو ایک آزاد معاشرہ دینے اور نظامِ عدل قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ اسوۂ حسنہ کی روشنی میں نظامِ ظلم کے خلاف ایک منظم عوامی طاقت پر مشتمل جماعت قائم کر کے نظامِ عدل کی راہ ہموار کی جائے۔ (مدیر)

قلمی نوادرات

آمدِ رسولؐ : اظہارِ محبت کے تقاضے

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ

عزیزانِ ملت! ماہِ ربیع الاوّل کا ورود تمھارے لیے جشن ومسرت کا ایک پیغامِ عام ہوتا ہے۔ کیوں کہ تم کو یاد آجاتا ہے کہ اسی مہینے کے ابتدائی ہفتوں میں خدا کی رحمتِ عامہ کا دنیا میں ظہور اور اسلام کے داعی برحق کی پیدائش سے دنیا کی دائمی غمگینیاں اور سرگشتیاں ختم کی گئیں۔ تم خوشیوں اور مسرتوں کے ولولوں سے معمور ہوجاتے ہو۔ تمھارے اندر خدا کے رسولِ برحقؐ کی محبت وشیفتگی ایک بے خودانہ جوش ومحویّت پیدا کردیتی ہے۔ تم اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اسی کی یاد میں، اسی کے تذکرے میں اور اسی کی محبت کی لذت وسرور میں بسر کرنا چاہتے ہو! تم اس کے ذکر وفکر کی مجلسیں منعقد کرتے ہو۔ ان کی آرائش وزینت میں اپنی محنت ومشقت کی کمائی بے دریغ لٹاتے ہو خوشبودار اور تروتازہ پھولوں کے گلدستے سجاتے ہو۔ کافوری شمعوں کے خوب صورت فانوس اور برقی روشنی کے کنول بکثرت روشن کرتے ہو۔ عطر وگلاب کی مہک اور اگر کی بتیوں کا بخور جب ایوانِ مجلس کو اچھی طرح معطر کردیتا ہے تو اس وقت مدح وثنا کے زمزموں اور درود وسلام کے مقدس ترانوں کے اندر اپنے محبوب ومطلوبِ مقدس کی یاد میں پناہ ڈھونڈتے ہو اور بسا اوقات تمھاری آنکھوں کے آنسو اور تمھارے پُرمحبوب دلوں کی آہیں، اس کے اسمِ مبارک سے والہانہ عشق کرتیں اور اس کے عشق سے حیاتِ روحانی حاصل کرتی ہیں۔

پس کیا مبارک ہیں وہ دل، جنھوں نے اپنے عشق وشیفتگی کے لیے رب السماوات والارض کے محبوب کو چنا! اور کیا پاک ومطہر ہیں وہ زبانیں، جو سیدالمرسلین ورحمۃ للعالمین کی مدح وثنا میں زمزمہ سنج ہوئیں۔ انھوں نے اپنے عشق وشیفتگی کے لیے اس کی محبوبیت کو دیکھا۔ جس کو خود خدا نے اپنی چاہتوں اور محبتوں سے ممتاز کیا اور ان کی زبانوں میں اس کی مدح وثنا میں خود خدا کی زبان کے ملائکہ اور قدسیوں کی زبان اور کائناتِ ارضی کی تمام پاک روحوں اور سعید ہستیوں کی زبان ان کی شریک وہم نوا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿56:33﴾

(بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود اور سلام بھیجا کرو۔) بلاشبہ محبتِ نبویؐ اور عشقِ محمدیؐ کے یہ مخلصانہ ذوق وشوق تمھاری زندگی کی سب سے قیمتی متاع ہے اور تم اپنے ان پاک جذبات کی جتنی بھی حفاظت کرو، کم ہے۔ تمھارا یہ عشقِ الٰہی ہے۔ تمھاری یہ محبتِ ربانی ہے۔ تمھاری یہ شیفتگی انسانی سعادت اور راست بازی کا سرچشمہ ہے۔ تم اس وجودِ مقدس ومطہر کی محبت رکھتے ہو، جس کو تمام کائناتِ انسانی میں سے تمھارے خدا نے ہر طرح کی محمودیتوں اور ہر قسم کی محبوبیتوں کے لیے چن لیا اور محبوبیتِ عالم کا خلعتِ اعلیٰ صرف اسی کے وجودِ اقدس پر راست آیا۔ کرۂ ارض کی سطح پر انسان کے لیے بڑی سے بڑی بات جو لکھی جاسکتی ہے، زیادہ سے زیادہ جو عشق کیا جاسکتا ہے، اعلیٰ سے اعلیٰ مدح وثنا جو کی جاسکتی ہے، غرض کہ انسان کی زبان انسان کے لیے جو کچھ کہہ سکتی ہے اور کرسکتی ہے، وہ سب کا سب صرف ایک انسانِ کامل واکمل کے لیے ہے اور اس کا مستحق اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں۔ (بقیہ: صفحہ 11 پر)

قومی منظرنامہ

محمد عباس شاد، لاہور

ماہِ ربیع الاوّل ؛ قومی وملّی تقاضے

انسانی تاریخ میں مسلمانوں کو جو عروج و رفعت ملی، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن تعلیمات، جماعتِ صحابہؓ کی جدوجہد، اولیاء اللہ کی انسان دوستی اور علمائے ربانیینؒ کی قربانیوں کی بدولت ملی۔ لیکن مسلمانوں کی موجودہ حالتِ زار ان مقدس شخصیات کی روشن تعلیمات، جدوجہد، انسان دوستی اور قربانیوں سے بے گانگی اور لاتعلقی ظاہر کر رہی ہے۔ ماہِ ربیع الاوّل ہر سال ہمیں نبی اکرمؐ کی مقدس تعلیمات کی یاد دِلاتا ہے، لیکن ہم اسے اپنی روایتی بے حسی کے سبب کچھ حاصل کیے بغیر گزار دیتے ہیں۔ حضور اکرمؐ کی ولادت کی خوشی مسلمانوں کے لیے ایک فطری اور طبعی امر ہے، لیکن ہماری اجتماعی قومی حالتِ زار اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ہم اس موقع پر نبی مکرمؐ کی تعلیمات کی روشنی میں اپنے حالات پر بھی سنجیدگی سے غور کریں۔

۱۲ ربیع الاوّل کی آمد پر ہمارے نوجوان اور بچے گلی کوچوں اور چوراہوں پر راہ گیروں کا راستہ روک کر جشنِ ولادت منانے کے لیے زبردستی چندے مانگتے ہیں۔ پیوند لگے کپڑے پہننے والے نبیؐ کے نام نہاد محبّ' گوٹوں کناریوں والے کرتے پہنے، مسّی سرمہ لگائے نبیؐ کی شان بیان کرتے ہیں۔ اپنے پیٹ پر پتھر باندھ کر بھوکوں پیاسوں کو کھلانے پلانے والے نبیؐ کے نام پر پُرتکلف کھانوں کی دعوتیں اڑاتے ''عاشقانِ رسول'' ہیں۔ صادق وامین نبیؐ کے نام پر اپنی گلیوں، مکانوں، چوراہوں اور عمارات کو چوری کی بجلی سے برقی قمقموں کی سجاوٹ سے جگمگانے والے، گلیوں، بازاروں، چوراہوں اور عام شاہراہوں کو بند کرتے ہوئے مسافروں، مریضوں اور خلقِ خدا کو ذہنی وجسمانی کوفت پہنچا کر میلاد النبیؐ کے جلوس نکالنے والوں کو دیکھ کر لگتا ہے کہ قوم کے اجتماعی اَخلاق کا دیوالیہ نکل چکا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ محبوبِ خدا سے محبت ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ جیسا کہ آپؐ کا فرمان ہے: ''مجھے اس ذات کی قسم ہے، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک ایمان دار نہیں ہوسکتا، جب تک کہ مَیں (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے بھی زیادہ اس کا محبوب نہ بن جاؤں۔'' (بخاری) لیکن اس محبت کا معیار اور تقاضے کیا ہیں؟ جس ملک میں سود کا نظام ہو، جہاں عدالتوں کے دروازوں پر لگے ترازو میں انصاف بکتا ہو، جہاں کی سیاست میں منافقت شامل ہو، مذہبی رہنما مخالفوں کے قتل کے حکم صادر کرتے اور نفرت کے فتوے بانٹتے ہوں، حکمران عوام کا خون چوستے ہوں، عوام کے آنگن میں بھوک اور افلاس ناچتے ہوں، جہاں علم کے موتی چننے والے معصوم بچوں کو بارود سے بھون دیا جاتا ہو، ایسے ملک میں نبی اکرمؐ کے ماننے والوں اور آپؐ کی عزت وناموس کے محافظوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس قتل وغارت گری اور نفرتوں کے نظام اور ماحول کو اسوۂ نبیؐ کی روشنی میں تبدیل کرنے کے لیے بھی اپنے آپ کو وقف کریں۔

عالمی منظرنامہ

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

نیا افغانستان

''معاہدۂ بون'' کا آغاز 5 دسمبر 2001ء کو جرمنی کے شہر بون میں ہوا۔ یہ معاہدہ دراصل ایک طریقۂ کار تھا، جس میں افغانستان کے اندر امن، سلامتی، تعمیرِ نو کے علاوہ بنیادی اداروں کو مستحکم کرنا تھا۔ ورلڈ بینک نے اپنے ٹوکیو اجلاس میں جو 2002ء میں منعقد ہوا' کہا تھا کہ افغانستان کی تعمیرِ نو میں تقریباً ایک دہائی درکار ہوگی۔ اور آج افغانستان نے وہ طویل پُرخار سفر طے کرنے کے بعد ملک میں سیاسی عمل کا آغاز کر دیا ہے۔

دسمبر 1979ء سے دسمبر 2001ء تک افغانستان میں امریکا کی سرپرستی میں جو خانہ جنگی جاری رہی، اُس نے افغانستان کی معیشت کا دیوالیہ نکال دیا۔ آج جب امریکا اس سرزمین پر عبرت ناک شکست کھانے کے بعد یہاں سے واپسی کا پروگرام بنا رہا ہے تو ایک سوال پیدا ہو رہا ہے کہ کھربوں ڈالر اور لاکھوں انسانی جانوں کے بلاجواز قتل کا کون ذمہ دار ہوگا؟ امریکا اپنا رختِ سفر باندھ چکا ہے۔ امریکی فوجی اکیڈمی میں ویسٹ پوائنٹ کے خارجہ اُمور پر پالیسی بیان دیتے ہوئے صدر اوباما نے کہا تھا کہ: ''(امریکا کے) افغانستان سے نکل جانے کے بعد بھی وہاں صورتِ حال زیادہ اچھی نہ ہوگی، مگر یہ امریکا کی ذمہ داری نہیں۔''

افغانستان ایک ایسا خطہ ہے جو ایشیا کے مرکز میں واقع ہے۔ مرکز میں واقع ہونے کے ناطے اسے ایشیا میں دل کی حیثیت حاصل ہے۔ گزشتہ ڈیڑھ دہائی سے جنگوں کی وجہ سے یہاں انتہا پسندی اور دہشت گردی جیسے حالات نے اس دل کو بُری طرح پراگندہ کر دیا ہے۔ اس پراگندگی نے ایشیا کی سیاسی اور معاشی صورتِ حال پر مہلک اثرات مرتب کیے۔ آج ایشیا' دنیا میں اپنی بالادستی کے عہد میں داخل ہو رہا ہے۔ یقیناً وہ ایک پراگندہ اور بوجھل دل کے ساتھ اپنا یہ سفر آگے نہیں بڑھا سکتا۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ دل اور دل کے ماحول کو صاف کرنے کے بعد اس کی شریانوں میں تازہ خون داخل کیا جائے۔ یہاں کا ماحول صاف ستھرا ہو اور ماضی کی تمام غیر صالح باقیات کو جڑ سے اکھاڑا جائے۔ ایشیائی قوتوں نے اسے محسوس کرتے ہوئے مسلسل اس پر نظر رکھی ہوئی ہے اور پاکستان کو اس سلسلے میں جو فرنٹ لائن کا کردار دیا گیا اور اس کے ساتھ اسے جو تعاون درکار تھا، خطے کی بڑی طاقتیں اسے بھی فراہم کرتی رہتی ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ پاکستان کے آرمی چیف' جو یہاں کی فیصلہ گر قوت ہے، اپنے حالیہ 10 روزہ طویل دورۂ امریکا کے دوران وہاں کی مقتدر قیادت کو یہ باور کرانے میں حق بجانب تھے کہ افغانستان میں جب تک پُرتشدد اور دہشت گرد قوتوں کا بلاامتیاز قلع قمع نہیں ہوتا' یہاں امن قائم نہیں ہوسکتا۔ چوں کہ یہ کام مقامی قوتوں کے بغیر پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا تھا' اس سلسلے میں پاکستان کی عسکری قوت نے جو گراں قدر خدمات سرانجام دیں، دنیا کی کوئی بھی طاقت اتنی خوش اسلوبی سے اس ٹاسک کو مکمل نہیں کر سکتی تھی۔ لہٰذا آج افغانستان کے مسئلے کے دوسرے کھلاڑی' جن میں امریکا، نیٹو اور ان کی پُشت پناہ دیگر قوتیں جب تک پاکستان اور خطے کی دیگر علاقائی قوتوں کی اس حیثیت کو تسلیم نہیں کرتیں' خطے میں پائیدار امن قائم نہیں ہوسکتا۔

www.rahimia.org

مجالس : افاداتِ علم وحکمت

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور کے قیام سے ہی یہ روایت موجود رہی ہے کہ ہر نمازِ جمعہ کے بعد حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ کے ساتھ احباب کی ایک استفادہ نشست ہوتی ہے۔ جنوری 2015ء کے شمارے سے ان افادات کو شائع کر کے ہم مجلّہ رحیمیہ کے تمام قارئین کو اس استفادہ نشست میں شامل کر رہے ہیں۔ اس مجلس کی ریکارڈنگ اور جمع و ترتیب کے فرائض قاری عبدالرشید صاحب نے انجام دیے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ اس سلسلے میں ادارہ کو اپنی رائے سے ضرور آگاہ کریں۔ (مدیر)

مجلس نمبر 1:۔ 07 نومبر 2014ء - مقام: ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ، لاہور

۞ حضرت! یہ جو کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بس ہم اپنے آپ کو انفرادی طور پر ٹھیک کر لیں تو اجتماعی حوالے سے معاشرہ اور نظام خود بہ خود ٹھیک ہو جائے گا۔ کیا ایسا ممکن ہے؟

☆ انفرادی طور پر اپنے آپ کو ٹھیک کر لینے سے سب کچھ ٹھیک کیسے ہوگا؟ اگر ایک آدمی ذاتی طور پر دین کی طرف راغب ہو بھی جائے تو یہ جو معاشرے میں اجتماعی طور پر کرپشن کا نظام موجود ہے، یہ خود بہ خود کیسے ٹھیک ہو جائے گا؟ اجتماعی حوالے سے معاشرے کا نظام خود بہ خود ٹھیک نہیں ہوا کرتا، بلکہ اسے ٹھیک کرنے کے لیے منظّم اجتماعی جدوجہد ضروری ہوتی ہے۔ فرد جہاں اپنے آپ کو ذاتی طور پر ٹھیک کرے، وہیں اجتماعی تقاضوں کی تکمیل کے لیے منظّم اجتماعیت کا حصہ بنے تو معاشرہ ٹھیک ہوتا ہے، ورنہ نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ افراد کی ذاتی زندگی میں تبدیلی بھی جماعت کے اجتماعی نظم کے ذریعے ہی ہوتی ہے۔ آپ سوچیئے کہ اگر لوگ خود درست ہو جایا کرتے تو پھر انفرادی اصلاح کی دعوے دار جماعتوں کو دعوت کا نظام بنانے کی کیا ضرورت پڑی ہے؟ وہ دعوتی حوالے سے جماعت کا ایک ضابطہ بناتے ہیں اور اُس پر عمل کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ اُن کا اپنے مرکز میں باقاعدہ ایک دفتر موجود ہے۔ اُس دفتر کے اندر سارا دن جماعتوں کی تشکیل، اُن کے کام کرنے کا طریقہ اور اُن کی کارگزاری' ایک سسٹم کے تحت جاری رہتی ہے۔ اگر سب کچھ خود بہ خود ہی ٹھیک ہو جاتا ہے تو پھر اس کی کیا ضرورت ہے۔ پھر جماعت کے لیے شوریٰ کی بھی ضرورت نہیں۔ امیر کی بھی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔ کوئی آدمی کہیں بھی کسی جگہ دعوت دینے کے لیے از خود چلا جائے۔ کسی کو دین کی دعوت دینے کے لیے جماعت بنانا کیوں ضروری ہے؟ یہ آدمی اپنی اپنی جگہ پر خود بھی نیک ہو جائیں اور دوسروں کو بھی نیکی کی دعوت دیتے پھریں۔ کیا ضرورت ہے گھر چھوڑ کر، بسترے اُٹھا کر چار مہینے اور سال سال، چار چار سال کے لیے ایک نظام میں چلنے کی؟ پھر گشت اور نصرت کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن وہ کہتے ہیں کہ گشت کے بغیر کام نہیں ہوتا۔ وہ لوگوں سے یہ بھی کہتے ہیں کہ بھئی کام میں لگو۔ کام میں لگے بغیر نتیجہ نہیں آتا۔ اگر اصلاح کا طریقہ یہی انفرادی طور پر نیک ہونا ہے، تو پھر جماعت، طریقۂ کار اور نظم و ضبط، پارٹی اور اس کی تشکیل، یہ سب کچھ چھوڑ دینا چاہیے۔ اب یہ سارا کام تو ایک نظام کے تحت سرانجام پاتا ہے تو اب کیا معاشرے کی اصلاح کا نظام صرف چند نمبروں کا بنانا ہے؟ کیا اجتماعی نظام اس حوالے سے نہیں بنانا کہ دینی تعلیمات کی روشنی میں خرید و فروخت کا بازار ٹھیک ہو؟ اور حکومت اور سیاست کا نظام بھی ٹھیک ہو؟

پھر ایک اور بڑی غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ ''جب ہم اللہ کے راستے میں نکلیں گے، اور کچھ نمبروں پر عمل کریں گے، تو حکومت خود بہ خود ٹھیک ہو جائے گی۔'' بھائی! یہ دعوت کے لیے اللہ کے راستے میں نکلنے کا جو مطلب ہے، یہ تو خود بہ خود سے نہیں ہوا۔ بلکہ وہ گھر سے نکلا ہے۔ بستر اٹھایا ہے۔ چار مہینے یا تین دن لگائے ہیں۔ تب ممکن ہوا ہے۔ اس سے اگلا کام یعنی سیاست اور حکومت کا، خود بہ خود کیسے ہو جائے گا؟ دینی سیاست کا کام بھی تب ہوگا، جب سیاست کا شعور حاصل کریں گے۔ سیاست کی تربیت حاصل کریں گے۔ کام کرنے کے مواقع ملیں گے تبھی ہوگا نا۔ اب اگر ایک آدمی گندم کا بیج زمین میں ڈال دے اور کہے کہ اب میرا کام تو یہی تھا۔ اب یہ فصل خود بخود اُگ جائے گی۔ اگلا کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ زمین میں گوڈی کرنے، اُس میں سے گھاس نکالنے، پانی دینے، اُس میں کھاد لگانے کی ضرورت نہیں رہی، تو کیا فصل خود بہ خود ہو جائے گی؟

اب آپ نے دعوت نماز، روزے اور اکرامِ مسلم کی دی۔ یہ ابتدائی کام ہیں اور اس ابتدائی کام کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اس ابتدائی کام کے بعد اگر آپ نے اگلا کام نہیں کیا تو پہلے کام کا نتیجہ بھی صفر ہو جائے گا۔ وہ کاشت کار جو زمین میں بیج ڈال کر گھر میں بیٹھ جائے اور اگلا کام نہ کرے تو بیج بھی ضائع ہو جاتا ہے۔

یہاں ایک اور بات سمجھنا بھی بڑا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کا ایک ضابطہ اور قانون مقرر کر رکھا ہے۔ دنیا تحت الاسباب ہے۔ یہاں اسباب کے تحت کام ہوتا ہے۔ اگر مقدر کی بات ہو تو پھر محنت اور مزدوری نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ خود اپنے ہاتھ سے لقمہ بنائے اور ہمارے منہ میں ڈال دے اور ہم کھا لیں۔ اگر کہیں سے ویسے مفت میں مل جائے تو پھر بھی روٹی کا ٹکڑا توڑ کر اُسے اپنے منہ میں تو ڈالنا پڑے گا۔ یہ خود بہ خود تو منہ میں نہیں آئے گا۔ جب ابتدائی کام کیا جائے اور اس سے اگلا کام نہ کیا جائے تو ابتدائی کام کا بھی نتیجہ نہیں آتا۔ ایک آدمی نے صرف ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اگلی تعلیم حاصل نہیں کی تو ابتدائی پڑھا اور نہ پڑھا برابر ہو جائے گا۔ آگے تعلیم حاصل نہیں کرے گا تو پہلا علم بھی مناسبت نہ رہنے کی وجہ سے بھول جائے گا۔ ایک آدمی ایک سیڑھی یا دو سیڑھیاں چڑھ کر کہے کہ اب بس! اگلی سیڑھیاں خود بہ خود ہو جائیں گی۔ تو وہ دو چار سیڑھیاں جو چڑھا ہے، وہ بھی بے کار گیا۔ چوں کہ مقصد تک تو نہیں پہنچا۔ وہ خود بخود کیسے ہو جائے گا۔ ایسے تو نہیں ہو سکتا کہ دو چار سیڑھیاں چڑھنے کے بعد رُک جائے اور آگے بغیر قدم اٹھائے منزل پر جا پہنچے۔ اگلے سٹیپ بھی اُسے خود ہی چڑھنے ہوں گے۔

ایک اور بڑی غلط فہمی میں لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں کہ: ''بھائی رزق تو بقدرِ مقدر ملتا ہے۔ اور ایمان بقدرِ محنت ملتا ہے۔'' یہ دین اسلام کے نام پر ایک غلط تصور ہے، جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ ''صحیح بخاری'' میں حدیث شریف آتی ہے اور ''فضائلِ اعمال'' میں بھی یہ حدیث موجود ہے کہ جب ماں کے پیٹ میں بچے کے اندر روح پھونکی جاتی ہے تو فرشتہ چار باتوں کا اعلان کرتا ہے۔ (بقیہ: صفحہ 11 پر)

www.rahimia.org

خطبات و بیانات

افادات: حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ
جانشین حضرت رائے پوری رابعؒ و مسند نشین خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

انسانی معاشرے کی بھلائی اور ترقی کے چار اصول

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے 03 رجنوری 2014ء/ یکم ربیع الاول 1435ھ کو ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور میں نمازِ جمعہ کے شرکا سے خطاب کے دوران آیت كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (110:3) کی تشریح میں ارشاد فرمایا:

''چار باتیں قرآن حکیم نے ایک مسلمان جماعت کے لیے لازمی قرار دی ہیں:

ایک تو یہ کہ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ: وہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرے۔ اس کا نظریہ، نظریۂ انسانیت ہو، فرقہ وارانہ گروہیت، طبقاتی سوچ یا کسی اور امتیاز کی بنیاد پر تفریق کا نہیں ہونا چاہیے۔

اس کے بعد دوسرا تقاضا یہ ہے کہ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ: انسانیت کی بھلائی کے تمام مسلمہ کاموں کا باقاعدہ نظام قائم کرو۔ امر سے مراد صرف کسی فرد کا فرد کو انفرادی طور پر حکم دینا ہی نہیں ہے۔ یہ تو اس کا ابتدائی درجہ ہے، بلکہ تَأْمُرُونَ سے مراد معروف کا نظام بنانا ہے۔ اور قرآن حکیم نے یہ امر جہاں بھی استعمال کیا ہے، حکومت کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ خواہ وہ ''خلافتِ باطنہ'' کی شکل میں تنظیمی ڈسپلن، تنظیمی پالیسی اور قوانین کی پابندی کرنے کا عمل ہو یا ''خلافتِ ظاہرہ'' کی شکل میں سیاسی حکومت، معاشی اور اقتصادی اقدامات کی شکل میں ہو۔

تیسری بات تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ: اس کا تعلق بھی نظم و نسق سے ہی ہے۔ صرف انفرادی طور پر پکڑ دھکڑ اور نکیر درست نہیں۔ انفرادیت جب بھی آئے گی تو ایک منفی جذبے کے تحت آئے گی۔ اجتماعیت جب بھی ہوتی ہے، وہ مجموعی فلاح و بہبود کے لیے ہوتی ہے۔ منکرات کو روکنے کا عمل بھی نظم و نسق کے تحت ہی ہوتا ہے کہ جماعتی نظم میں، اجتماعی طور پر منکرات سے روکنا، یعنی اجتماعیت دشمن رویوں، بداخلاقیوں سے روکنا، یہ روکنے کا عمل بھی جماعتی نظم میں ہو یا حکومتی نظم و نسق کے تحت ہو، سیاسی اور معاشی نظام کے تحت ہو۔

چوتھی بات تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ: صرف اور صرف تم اللہ پر ایمان یا اللہ کی رضا اور اس کی اطاعت کے لیے کام کرو۔ یعنی کسی ذاتی خواہش، ذاتی جذبے، نمود و نمائش، محض معاوضے یا مالی مفادات اٹھانے کا کوئی تصور اور خیال تمھارے ذہن میں نہ ہو۔ بلکہ دل کو اس بات کی طرف متوجہ کر لینا کہ اس کائنات کا مکمل نظام چلانے والی ایک ہی ذات اللہ رب العزت کی ذات ہے۔ ایمان دل کی اس کیفیت کا نام ہے کہ جس کے ذریعے سے دل اس کائناتی نظام کے حوالے سے اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین اور اعتماد رکھتا ہے جو اس پوری دنیا کے تمام دائروں کا کنٹرول سنبھالے ہوئے ہے۔''

نبی اکرمؐ سے محبت کا عملی اظہار اور نتیجہ

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے 17 رجنوری 2014ء/ 15 ربیع الاول 1435ھ کو ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور میں نمازِ جمعہ کے شرکا سے خطاب میں لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (21:33) کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''ایک مسلمان کی کامیابی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، عظمت اور چاہت میں ہے۔ اللہ کا نظام دنیا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے آیا ہے۔ اور اس کرۂ ارض پر آپؐ کی حیثیت ایک اتھارٹی کی سی ہے۔ ایسی اتھارٹی کہ جس کی بات کسی بھی صورت میں ردّ نہیں کی جا سکتی۔ دنیا کے نظام، ان کا اجتماعی عمل، ان کے سماج کی ترقی کی بنیاد کسی نہ کسی اتھارٹی پر ہوتی ہے۔ ایک خاندان، قبیلے، ملک، سماج میں جب تک کوئی اتھارٹی نہ ہو، اس وقت تک اس خاندان، ملک اور قوم کا نظام درست خطوط پر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ نبی اکرمؐ امام الانبیاؑ ہیں۔ تمام انبیاؑ کے اختتام پر دنیا میں تشریف لائے ہیں۔ اس لیے تمام دنیا بھر کی اقوام، دنیا بھر کے تمام معاشروں کے لیے آپؐ کی ذاتِ گرامی ایک ایسی قطعی اور آخری اتھارٹی کی حیثیت رکھتی ہے، جو تمام انسانوں کے لیے بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب ترقی کا ایک واحد راستہ بیان کرتی ہے۔ اسی لیے ایک مسلمان جماعت کے لیے یہ لازمی قرار دیا گیا کہ وہ اس وقت تک سچی مسلمان جماعت نہیں بن سکتی، جب تک کہ اس کے دل میں نبی اکرمؐ کی محبت، عظمت، چاہت اور سچا تعلق قائم نہ ہو۔

محبت کا لازمی نتیجہ دراصل آپؐ کی باتوں پر مبنی عملی نظام قائم کرنا ہے۔ دنیا میں انسان کو جس سے محبت ہوتی ہے تو محبوب کی باتوں کی نقل کی جاتی ہے۔ آپؐ ایک اتھارٹی ہیں، آخری اور قطعی فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ آپؐ کی یہ حیثیت ہے کہ آپؐ دنیائے انسانیت کے محبوب ہیں۔ اللہ پاک نے واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے کہ: ''لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ.'' اگر آپؐ دنیا میں پیدا نہ کیے جاتے تو یہ کائنات ہی پیدا نہ ہوتی۔ جب آپؐ وجہِ تخلیق کائنات ہیں تو تمام انسانیت کے لیے، بلکہ مخلوقات کے لیے مرکزی اور محوری حیثیت رکھتے ہیں۔ اس ذاتِ گرامی نبی اکرمؐ کے ساتھ انسان کا سچا تعلق دراصل اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ جو فکر و عمل، جو جدوجہد اور کوشش، جو کاوشیں نبی اکرمؐ نے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے کی ہیں، انھیں اپنی زندگی کا وطیرہ بنایا جائے۔ اپنی زندگی کے اجتماعی اور انفرادی اعمال کے لیے بطور اسوۂ حسنہ کے پیشِ نظر رکھا جائے۔ اس لیے قرآن حکیم نے تمام مسلمانوں کو مخاطب ہو کر کہا ہے کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (21:33) کہ تم تمام انسانوں کے لیے اللہ کے رسولؐ اسوۂ حسنہ ہیں، نمونہ اور معیار ہیں۔ نمونہ اور معیار ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ انسانی معاشروں کی ترقی اور تمام انسانوں کی فلاح کے لیے نبی اکرمؐ کا قائم کردہ نظام بنایا جائے، جس کے قیام کے لیے آپؐ نے تمام عمر جدوجہد اور کوشش کی۔''

www.rahimia.org

نبی اکرمؐ کے کیے گئے معاہدات (سوشل کنٹریکٹس) کی بنیادیں

حضرت اقدس مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

''آپؐ کی سیرت کا مطالعہ کریں تو آپؐ نے ابتدا سے ہی انسانیت کے لیے رحمت بن کر انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے کردار ادا کیا ہے۔ سولہ سال کی عمر سے لے کر جب کہ آپؐ نے ''حلف الفضول'' کا معاہدہ کیا، آخری اُس عمل تک جو آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے عرفات اور منیٰ کے میدان میں انسانیت کی ترقی اور فلاح و بہبود کا جو دستور و منشور جاری کیا، یہ پوری زندگی اس بات پر گواہ ہے کہ آپؐ کی زندگی نے اجتماعی حوالے سے ہمارے لیے بہت بنیادی رہنمائی پیش کی ہے۔ آخری عمل بھی ایک معاہدے، ایک دستور، منشور اور میثاق کی صورت میں ہے۔

آج بڑی عجیب بات ہے کہ انسانی سوسائٹی سے متعلق آپؐ کے ان معاہداتِ عمرانی کے حوالے سے ہم کوئی گفتگو نہیں کرتے۔ فردی حیثیت سے آپؐ کے انفرادی اوصاف و احوال تو بیان کیے جاتے ہیں، لیکن آپؐ نے انسانیت کی ترقی کے جس معاہدے سے آغاز کیا تھا، اس پر بات نہیں کی جاتی۔

حِلف الفضول کے اس پورے معاہدے میں مظلوم کی مدد کرنے اور ظالم کے خلاف جدوجہد اور کوشش کرنے کا ایک واضح اور درست طریقۂ کار متعین کیا گیا تھا: ''وَ اللّٰہِ! لَنَکُوْنَنَّ یَداً وَاحِداً مَعَ الْمَظْلُوْمِ عَلٰی الظَّالِمِ.'' (اللہ کی قسم ہم سب مل کر اس معاہدے کی رُو سے ظالم کے خلاف کام کریں گے اور مظلوم کی مدد کریں گے۔) یہ الفاظ تھے اس معاہدے کے، کہ جس میں واضح طور پر ظالم اور مظلوم کی تقسیم پیدا کی گئی کہ ایک طرف ظالم ہے، جو مقتدر طبقات ہیں۔ ملاء و مترف ہیں۔ انسانیت دشمنی کا کردار ادا کرنے والے، خواہ وہ مکہ کے قریش ہوں، ایران کا کسریٰ ہو، روم کا قیصر ہو یا دنیا بھر کے ظالم حکمران ہوں۔ ایک طرف تو ان ظالموں کی نشان دہی اس معاہدے کے ذریعے سے کی گئی ہے اور دوسری طرف دنیا بھر کے مظلوموں کی بات کی گئی ہے۔ دنیا بھر میں وہ مظلوم خواہ عربی بولنے والے ہوں، فارسی بولنے والے ہوں، کسی زبان اور کسی نسل سے تعلق رکھتے ہوں تو اس معاہدے کے بنیادی الفاظ یہ ہیں کہ: ہم سب مل کر مظلوم کی مدد کریں گے، اس کی معیت اختیار کریں گے، اس کے مسائل کے حل کرنے کے لیے جدوجہد اور کوشش کریں گے۔ اور ظالم کے خلاف کام کریں گے۔ اس معاہدے کا آغاز ہی دنیا بھر میں موجود طبقاتی تقسیم کی نشان دہی پر تھا۔ یہ معاہدہ آپؐ کی عملی زندگی کا نقطۂ آغاز ہے۔ جب کہ آپؐ کی پوری زندگی کا نقطۂ اختتام حجۃ الوداع کا خطبہ ہے، جس میں آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''ألا! إنَّ دِمَائَکُمْ، وَ أمْوَالَکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَۃِ یَوْمِکُمْ ھٰذَا، فِیْ شَھْرِکُمْ ھٰذَا، فِیْ بَلَدِکُمْ ھٰذَا.'' خبردار! مؤمنو! انسانی جان اور انسانی مال محترم ہیں۔ چار بنیادی باتیں حضورؐ نے اس خطبے میں ارشاد فرمائیں: نمبر ایک تو یہ کہ انسانوں کی بنیاد پر جو معاشرہ وجود میں آتا ہے، اس میں اس کی جان محفوظ رہنی چاہیے، اس کی اہمیت اور تشبیہ بھی نبی اکرمؐ نے اس حرمت کے ساتھ دی، جس کا تعلق حرم سے ہے، یعنی خانۂ کعبہ۔ مسجدِ حرام، یعنی وہ مشعرِ حرام، جو پورے کے پورے دائرۂ حرم سے تعلق رکھتا ہے، منیٰ اور عرفات جیسے مقدس مقامات۔ تو حضورؐ نے فرمایا: انسانی جان اتنی ہی محترم ہے، جیسی کہ مشاعرِ حرام، جیسے یہ حرمت والے مقامات۔

دوسری بات ارشاد فرمائی کہ تمھارے مال، انسانی محنت اور مشقت سے کمایا ہوا مال۔ اس کا بھی اپنا احترام ہے۔ کسی کی محنت کا استحصال نہیں کیا جاسکتا۔ اس نے محنت مزدوری سے جو مال کمایا ہے یا جائز طریقے سے اس کے پاس آیا ہے، اس کو پائمال نہیں کیا جاسکتا۔ یوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کی حرمت کا تذکرہ فرمایا۔

پھر اسی کے ساتھ تیسری بات ارشاد فرمائی کہ دیکھو! تمھارے لیے عورتوں کے حقوق ادا کرنا لازمی ہے۔ مال اور انسانی جان کی حرمت کے بعد اہم ترین بات، جس کی طرف آپؐ نے اس خطبہ حجۃ الوداع میں اشارہ فرمایا، بلکہ واضح ہدایت فرمائی کہ عورتوں کے حقوق کا پاس رکھو۔ عورتوں کے حقوق کے فرائض اور ذمہ داریاں مردوں پر عائد ہوں گی۔ گویا پورے سماج کا سیاسی، معاشی و عمرانی اور سماجی رابطوں کا نظام، مرد اور عورت کے بنیادی تعلق سے خاندانی نظام کی شکل میں عائلی سسٹم کی شکل میں وجود میں آتا ہے۔ نبی اکرمؐ نے اس خطبے میں اس سماجی معاہدے کے بنیادی اساسی اصول کی نشان دہی کی۔

پھر چوتھی بات یہ کہ سوسائٹی کے مظلوم، کمزور، یتیم اور پس ماندہ طبقات کے حقوق کی ادائیگی کا نبی اکرمؐ نے حکم دیا۔

جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی ہے: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَۚ (1:96)۔ اسی وحی کے ذریعے سے ہی طاغوتی نظام کے خلاف بغاوت کا اعلان اسی سورت میں کر دیا گیا: كَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤىۙ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰىؕ (7-6:96) خبردار! انسان یہ جو سرکشی کرتا ہے، یہ جو ظلم و ستم کا نظام قائم کیے ہوئے ہے، اس کی بات قابل قبول نہیں ہوگی۔ اس کو نہیں مانا جاسکتا۔ اس کے سرمایہ پرستی کے ماحول کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔ نبوت کے نزول کا لمحہ ان آیات پر مشتمل ہے، جو انسانیت میں ظلم کے خلاف ایک واضح شعور پیدا کرنے سے عبارت ہے۔ اللہ سے تعلق، اللہ کا تعارف، اللہ سے محبت اور عظمت کے ساتھ پہلی سورت میں ہی ایک واضح عمل اختیار کرنے کا طریقۂ کار بیان کر دیا گیا اور یہ انقلاب، تبدیلی اور معاشرے کے اندر ایک عالم گیر تبدیلی کا واحد واضح نظریہ ہے، جس پر پورا عمل آپؐ نے دورِ نبوت میں کیا۔

اور ایک اہم معاہدہ جس کا تعلق مدینہ منورہ میں جا کر حکومت قائم کرنے سے ہے کہ جس میں نبی اکرمؐ حرمِ مکہ سے نکل کر حرمِ مدینہ میں پہنچتے ہیں اور ''میثاقِ مدینہ'' کرتے ہیں۔ 52 دفعات پر مشتمل یہ میثاقِ مدینہ ہے۔ اس میں واضح طور پر یہ اعلان کیا گیا کہ اس مدینے کی تمام آبادی، خواہ وہ کسی عقیدے اور نسل سے تعلق رکھتی ہو، وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک اجتماعیت کا حصہ ہیں۔ ان کے سیاسی اور معاشی حقوق ویسے ہی ہیں، جیسے کہ مسلمانوں کے ہیں۔''

www.rahimia.org

بچوں کا کالم — چوہدری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ

گفتگو کے آداب

(چوہدری افضل حق آزادی کے عظیم رہنما تھے۔ اپنی قوم کی تعلیم و تربیت اور اخلاقی معیار کی بلندی ہمیشہ ان کے پیش نظر رہی۔ ذیل میں ان کے اُن خطوط کی تلخیص شائع کی جارہی ہے، جو اُنھوں نے 1939ء میں راولپنڈی جیل سے اپنے بچوں کے نام لکھے۔ دراصل ان کے مخاطب قوم کے ہر دور کے نونہال ہیں۔ مدیر)

برخوردارِ عزیز از جان! السلام علیکم

پیارے بچو! زبان ہے تو ٹکے بھر کی، مگر اسی پر دنیا کا کاروبار چلتا ہے۔ جس کو اپنی زبان پر قابو ہے۔ زمانے میں عزت پاتا ہے۔ جو بے سمجھے سوچے اُلٹی سیدھی ہانک دیتا ہے، ساری عمر تکلیف اُٹھاتا ہے۔ اسی لیے ''پہلے تولو پھر بولو'' کا محاورہ مشہور ہے۔ ہمیشہ میٹھی بات بولو، کسی کا دل دُکھانے کی بات نہ کرو۔ تلوار کے زخم بھر جاتے ہیں۔ بُرا لفظ زہر میں بجھی تلوار سے زیادہ کاٹ کرتا ہے۔ اور عمر بھر اس کا زخم نہیں بھرتا۔ جہاں تک ہو سکے زبان کے بگاڑ سے بچو۔ تلخ بات کہنے سے پرہیز کرو۔

جلدی جلدی بولنے کی عادت نہ ڈالو اور نہ زیادہ بولو۔ لفظ سمجھ سوچ کر صاف صاف ادا کرو تاکہ دوسرے کو تمھاری بات آسانی سے سمجھ آجائے۔ نہ ایسا کم بولو کہ کوئی کہے کہ یہ کورٹ فیس لگائے بغیر بولتا ہی نہیں۔ کسی کو اپنے سے کم نہ سمجھو، نہ اپنے آپ کو کسی سے بیٹا جانو۔ تم دنیا میں برابر کے ہو۔ برادرانہ میل ملاپ رکھو۔ نہ کسی کی خوشامد کرو نہ خوشامد کراؤ، یہ دونوں ہی بُری باتیں ہیں۔

ہمارے نبی ﷺ بالکل صاف صاف لفظ ادا کرتے تھے، آہستہ آہستہ بولتے تھے۔ کسی کی خوشامد نہ کرتے تھے، دوسروں کو ایسا کرنے سے منع کرتے تھے۔ ہر ایک سے برابر کے بھائی کی طرح ملتے تھے۔ دوسروں کے آنے پر کھڑے ہو جانا یا دوسروں سے ایسی عزت کی اُمید رکھنا بُری بات ہے۔ دنیا میں بے تکلف رہنے کی عادت ڈالنا چاہیے۔ یہ شاہی طور طریقے یعنی کورنش بجالانا اور جُھک کر ملنا، بُرے آداب ہیں۔ لوگوں میں اپنی عزت کا خیال جاتا رہتا ہے۔ انسان، انسان کے سامنے جُھکے کیوں! کوئی اپنے آپ کو دوسرے سے بڑا سمجھے کیوں! البتہ جہاں تک ہو سکے دوسروں کی مصیبت اور تکلیف دُور کرنے میں دریغ نہ کرنا چاہیے۔

بچو! تمھیں چاہیے کہ کسی سے ملنے اور بات چیت کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کرو۔ جس سے تم بات کرتے ہو وہ بھی تو انسان ہے، تو پھر ڈرنے کی کیا بات ہے۔ جس سے ملو اس سے سلام کہو۔ اور جو کہنا یا پوچھنا چاہتے ہو بے تکلف زبان پر لاؤ، لیکن ایسا انداز اختیار کرو کہ دوسرے کو یہ محسوس نہ ہو کہ تم اس کی بے عزتی کرنا چاہتے ہو۔

پیارے بچو! اپنی گفتگو اور بولنے کا انداز پیارا رکھو کہ دوست تو دوست دشمن بھی دوست بن جائے۔ کسی پر خواہ مخواہ اپنی لیاقت یا خاندان کی بڑائی نہ جتاؤ۔ ایسا کرنے سے عزت بڑھتی نہیں بلکہ دوسروں کی نظروں میں آدمی ذلیل ہوتا ہے۔

خواتین کا کالم — مولانا عبداللہ عابد سندھی، شکارپور

سماجی ترقی میں خواتین کا کردار

یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ مرد و عورت دونوں معاشرے کی بقا اور استحکام کے لیے ایک دوسرے کے یکساں محتاج ہیں۔ مرد معاشرے کے ایک شعبے میں اپنا عملی کردار ادا کرتا ہے تو عورت معاشرے کے کئی دوسرے شعبوں میں اپنی صلاحیتوں سے انسانیت کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ عورت کو نظرانداز کر کے نوعِ انسانی کا کوئی بھی پروگرام مکمل نہیں ہوتا۔ دراصل معاشرہ اس وقت ترقی کرتا ہے، جب مرد اور عورت دونوں کی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھانے کا عملی نظام موجود ہو۔ اسلام نے اسی بنیاد پر ان دونوں کو محنت کا معاوضہ بھی یکساں طور پر دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا: ''جس نے عمل صالح کیا وہ مرد ہو خواہ عورت، اور وہ مؤمن ہو، تو ہم اسے اچھی زندگی دے کر زندہ کریں گے اور ان کے بہتر کام کا بہتر بدلہ ضرور دیں گے۔''

جب ربّ الاقوام نے دونوں کو یکساں طور پر نیابت کے فرائض تفویض کیے اور یکساں طور پر بہترین اعمال کے بدلے کی خوش خبری دی تو اس بشارت کو زندہ درگور کے لائق سمجھی جانے والی عورت نے سنا تو اس کے اندر انقلابی جذبے کی اِک نئی دنیا نے جنم لیا۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ جب نبی کریمؐ نے سماجی تبدیلی کے پروگرام کی دعوت دی تو اوّلیت کا شرف حضرت خدیجہؓ کی شکل میں ایک عورت کو حاصل ہوا۔ ظلم و ستم کی آندھیوں میں نظریے کی استقامت پر آزمائش ہوئی تو حضرت سمیہؓ نے اسلام کی پہلی شہید عورت کا رُتبہ حاصل کیا۔ مکے سے مدینے کی سمت ہجرت کے سفر کے سنگِ میل کی تکمیل کے لیے دشمن کا طمانچہ اپنے رخساروں پر کھا کر بھی ہجرتِ نبویؐ کے راز کو راز رکھنے والی بھی ایک عورت حضرت بی بی اسماؓ ہی کی ذات تھی۔ اسی طرح چالیس چالیس دن تک گھروں میں چولہے نہ جلے تو صبر کا عملی نمونہ عورت ہی نے اختیار کیا۔ ضرورت پڑی تو وہ کہیں زخمیوں کو مرہم پٹی کرتے ہوئے نظر آئی تو کہیں درس و تدریس کے مشاغل میں مصروف دیکھی گئی۔ اگر دورِ نبویؐ کی عورت اپنے فرائض اور انقلابی کردار کو ادا نہ کرتی تو قومی اور بین الاقوامی انقلاب کی منزل حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ یہ اس دور کی عورت تھی، جس نے علم و فہم اور نظریہ و استقامت کے میدان میں مردوں کی ہمسری کی اور اسی کے ساتھ اپنی گود میں پلنے والی نسلوں کے اندر اپنے نظریے سے کامل وابستگی اور ذمہ داری کا گہرا شعور دیا۔

اس عورت نے خود قناعت اختیار کی، تاکہ سرمایہ پرستی کی دُھن معاشرے میں فساد برپا نہ کرے۔ خود کو نظریاتی و عملی لباس میں اوڑھ لیا، تاکہ نفسانی خواہشات معاشرے کی بنیادوں میں دراڑیں نہ ڈال سکیں۔ اس نے جفاکشی اختیار کی، تاکہ سستی اور کاہلی ان کے انقلابی عملی مزاج کو سرد نہ کر سکیں۔ اور اس نے خود انفاق میں اوّلیت اختیار کی، تاکہ انسانیت کی خیرخواہی کا جذبہ ذاتی مفادات سے مغلوب نہ ہو۔ یہ روشن نمونے آج کی اس عورت کے لیے کامیابی کا ذریعہ ہیں، جو مستقبل میں سماجی تبدیلی کی تمنا رکھتی ہو۔ آج اجتماعی زندگی ان سے یہ تقاضا کرتی ہے کہ وہ ان کامیاب خواتین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنے دائرے میں مصروفِ کار رہیں۔

www.rahimia.org

مفتی عبدالقدیر، چشتیاں

حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے اَخلاقِ عالیہ

برعظیم پاک و ہند میں دین اسلام کی تعلیمات کے فروغ میں ولی اللّٰہی خاندان کے علم و عمل کا بڑا کردار ہے۔ انھوں نے لوگوں کو جہاں اپنے علمی کمالات سے متاثر کیا، وہاں ان کے اَخلاقِ عالیہ کی وجاہت و وقار نے بھی لوگوں کے دلوں کو جلا بخشی ہے۔ اسی سلسلے میں حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید کے دو واقعات پیش خدمت ہیں۔

حضرت امیر خاں صاحب نے ''امیر الروایات'' میں لکھا ہے کہ: مولوی ذوالفقار علی صاحبؒ (والد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ) بیان فرماتے تھے کہ مولوی رستم علی بریلی کے رہنے والے اور بہت پہلوان تھے۔ مولوی اسماعیل صاحب شہیدؒ کے بہت گہرے دوست تھے۔ اتفاق سے مولانا اسماعیل صاحبؒ اور مولوی رُستم علی صاحبؒ چاندنی چوک سے گزر رہے تھے کہ ایک پہلوان نے مولانا (اسماعیل) کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ اس پر مولوی رستم علی صاحب کو بہت غصہ آ گیا۔ اور وہ تلوار نکال کر اس کو مارنے کے لیے دوڑے۔ مولانا (اسماعیل) نے جھپٹ کر مولوی رستم علی کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ میاں رستم علی! کیا کرتے ہو۔ وہ گالیاں بے جا نہیں دیتا، بلکہ وہ ٹھیک کہتا ہے۔ کیوں کہ وہ یہی تو کہتا ہے کہ یہ بڑا بددین ہے، جو نئی نئی باتیں نکالتا ہے۔ سو اِس میں وہ کیا غلط کہتا ہے! میری باتیں اس کے لیے تو واقعی نئی ہیں۔ علما نے یہ باتیں ان بے چاروں کو کہاں سنائی ہیں۔ پھر اس کو نئی کیوں نہ معلوم ہوں۔ اور وہ گالیاں کیوں نہ دے۔ اس کا اس پہلوان پر بہت اثر ہوا اور اس روز سے وہ مولانا کا عقیدت مند ہو گیا۔

امیر خاں صاحب نے مزید لکھا ہے کہ: حکیم خادم علی صاحب فرماتے تھے کہ: ایک شخص بڑے لوگوں میں سے، جس کا نام تو یاد نہیں، مگر اتنا یاد ہے کہ ان کو منشی صاحب کہتے تھے۔ انھوں نے مولانا اسماعیل شہیدؒ سے اپنے ہاں مردانہ میں وعظ کہلایا۔ وعظ میں مولانا کی یہ حالت تھی کہ جوتڑاق پڑاق ان کے وعظ میں ہوتی تھی، اس وعظ میں نہ تھی، بلکہ لہجہ نہایت کمزور تھا۔ مولوی رستم علی خان بریلوی، جو مولانا کے خازن اور نہایت جاں نثار تھے، ان سے ان منشی صاحب نے دریافت کیا کہ آج مولانا کی آواز ابھرتی کیوں نہیں۔ اس کا کیا سبب ہے۔ چوں کہ منشی صاحب مخلص تھے اور پوچھا بھی اصرار سے، اس لیے انھوں نے جواب میں کہا کہ: اس ضعیف لہجے کا سبب یہ ہے کہ مولانا پر تین وقت کا فاقہ ہے۔ انھوں نے تین وقت سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ منشی صاحب یہ سن کر اُٹھے اور مولانا سے کہا کہ مولانا اب وعظ کو موقوف فرما دیں۔ مجھے اور بھی ضروری کام ہیں۔ وعظ موقوف ہو گیا اور وہ مولانا کو الگ ایک مکان میں لے گئے۔ وہاں ان کے سامنے کھانا رکھا۔ مولانا دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: منشی جی! تم سے کس نے کہہ دیا ہے؟ مگر میں کھانا نہ کھاؤں گا۔ انھوں نے پوچھا: حضرت کیوں؟ آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھیوں نے بھی کھانا نہیں کھایا ہے اور میں ان سے الگ نہیں کھا سکتا۔ انھوں نے ساتھیوں کو بھی بلایا اور سب کو کھانا کھلایا اور کئی وقت تک دعوت کی۔ (بقیہ: صفحہ نمبر 11 پر)

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا شمار اُن اکابرین میں ہوتا ہے، جن کے فکر و عمل نے اپنے عہد کو بھرپور جدوجہد کی بنیادیں فراہم کیں۔ آپ برِعظیم پاک و ہند کی عظیم رہنما شخصیت تھے۔ آپؒ کی ولادت 22 رصفر المظفر 1233ھ/ 3 رجنوری 1818ء کو قصبہ نانوتہ، ضلع سہارن پور میں ہوئی۔ آپؒ کے والدِ محترم کا نام حافظ محمد امینؒ تھا۔ آپؒ نسباً فاروقی تھے۔ آبائی وطن تھانہ بھون ضلع مظفر نگر تھا۔ آپؒ کے والدِ محترم نے آپؒ کا نام ''امداد حسین'' اور تاریخی نام ''ظفر احمد'' رکھا، لیکن جب آپؒ کی ملاقات حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ سے ہوئی تو انھوں نے آپؒ کا نام بدل کر ''امداد اللہ'' رکھ دیا۔ بعد ازاں آپؒ اسی نام سے مشہور ہوئے۔ آپؒ کے اساتذۂ کرام میں شیخ محمد قلندرؒ، شیخ الٰہی بخش کاندھلویؒ اور شیخ نصیر الدین دہلویؒ وغیرہ شامل ہیں۔ آپؒ اٹھارہ سال کی عمر میں شیخ نصیر الدین دہلویؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ شیخ موصوف حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ کے نواسے اور شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے داماد اور شاگردِ رشید تھے۔ جب بالاکوٹ کے مقام پر سید احمد شہیدؒ شہادت پا گئے تو جماعت کے باقی ماندہ لوگوں نے مولانا شیخ نصیر الدین دہلویؒ کی بیعت کر لی۔ اس موقع پر حضرت حاجی امداد اللہؒ نے سب سے پہلے ان کی بیعت کی۔ شیخ موصوفؒ کے وصال کے بعد میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور ان کے زیرِ تربیت رہے۔ میاںؒ جی بھی حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے شاگرد اور ان کی تحریک مجاہدین کے رفقا میں سے تھے۔ انھیں بزرگ حضرات کی تربیت کا اثر تھا کہ حاجی امداد اللہؒ طریقت کے اونچے مقام پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ آزادئ و حریت کے پیکر بھی تھے۔ آپؒ ہندوستان کو بدیسی حکمرانوں سے نجات دلانے کی فکر میں رہتے تھے۔ آپؒ کی طبیعت میں عالمانہ رنگ نہ تھا، بلکہ حضرت امیر سید احمد شہیدؒ سے ملتی جلتی متحرک اور عملی طبیعت کے مالک تھے۔ اسی لیے انھیں سید احمد شہیدؒ کا عملی نمونہ کہا جاتا تھا۔

حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے دور ہی میں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر پر کام کرنے والی ولی اللّٰہی تحریک کا مرکز حجاز میں منتقل ہوا، تاکہ ترکوں اور ان کے حلیفوں سے مدد لے کر ہندوستان کی تحریکِ آزادی کو کامیاب بنایا جا سکے۔ جب 1260ھ/1844ء میں حضرت حاجی صاحبؒ حج کی غرض سے بیت اللہ تشریف لے گئے تو حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ نے حاجی صاحبؒ کو اسی کام کے لیے مقرر فرمایا۔ تحریکِ آزادی کا لائحۂ عمل اور پروگرام حاصل کرنے کے بعد 1262ھ/1846ء میں ہندوستان واپس تشریف لائے۔ آپؒ نے امام شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے وصال کے بعد ولی اللّٰہی تحریک کی زمامِ کار سنبھالی اور ولی اللّٰہی تحریک کے چوتھے امام کا بھرپور کردار ادا کیا۔ آپؒ نے اکابر اہلِ علم مثلاً حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا فیض الحسن سہارن پوریؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ اور ان کے علاوہ علمائے ہند کی ایک بڑی جماعت تیار کی جو حریت و آزادی کے جذبے سے سرشار تھی۔ حقیقت میں اگلے دور میں یہی وہ جماعت تھی، جو امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی جماعت کہلانے کی مستحق ہوئی۔ (بقیہ صفحہ 11 پر)

www.rahimia.org

رفتارِ کار

رپورٹ: سید احمد جواد ہمدانی

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ

کا دورۂ قصور

برِعظیم پاک و ہند کی عظیم خانقاہ' خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے مسند نشین اور ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور کے ناظم اعلیٰ حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ 14/ کتوبر 2014 / 5/ محرم الحرام 1435ھ بروز منگل کو قصور کے ایک روزہ مختصر دورے پر تشریف لائے۔ لاہور سے آپ کے ہمراہ جناب نوید اشرف، جناب نسیم عباس اور جناب عرفان یونس بٹ بھی تھے۔ قصور میں آپ کی آمد سہ پہر 2:30 بجے ہوئی۔ جناب حافظ محمد شفیق، جناب ریاض احمد اور دیگر احباب نے شہر سے باہر جا کر آپ کا استقبال کیا۔ قصور میں سب سے پہلے آپ راقم الحروف (سید احمد جواد ہمدانی) کے گھر پر تشریف لائے۔ جہاں علاقہ بھر سے خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے متعلقین و متوسلین اور احباب نے آپ کا استقبال کیا۔

قصور آمد کے فوراً بعد حضرت اقدس سے استفادہ نشست کا آغاز کر دیا گیا، جس میں کالجز اور یونیورسٹیز کے نوجوان طلبا اور عمومی افراد نے شرکت کی۔ اس نشست میں احباب کی شرکت اور دلچسپی قابل دید تھی۔ دوستوں نے بھرپور انداز میں مختلف اُمور پر سوالات کیے، جن پر حضرت اقدس مدظلہ نے آسان اور عام فہم انداز میں رہنمائی فرمائی۔ اس نشست میں دوستوں نے حضرت اقدس جو سوالات پوچھے اور آپ نے ان پر جو رہنمائی فرمائی' ان میں سے چند پیش خدمت ہیں:

سوال: حضرت! ہمارے معاشرے میں تبدیلی کیسے آئے گی؟

حضرت اقدس: ''معاشرے میں تبدیلی' آزادی اور حریت کی سوچ اور شعور سے آتی ہے۔ اس لیے غلامی کے دور کی سوچ سے نکلنا ضروری ہے۔ غلامی ایک لعنت ہوتی ہے۔ 1757ء سے لے کر 1947ء تک ہم پر غلامی مسلط رہی۔ اس کے بعد بھی بظاہر آزادی کے باوجود ہم غلامی کے دور کے نظام کے ساتھ اس ملک میں رہ رہے ہیں۔ غلام اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا۔ تبدیلی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنی دینی تعلیمات اور قومی اور ملّی تقاضوں کے مطابق اپنا نظام بنائیں، نہ کہ غلامی کے دور کے نظام کو اپنا لیں۔ اسی لیے ہمیں سب سے پہلے شعوری بنیادوں پر تبدیلی لانی ہے''۔

سوال: 1857ء کی جنگ' آزادی کی جنگ تھی یا کہ بغاوت؟

حضرتِ اقدس: ''یہ جنگِ آزادی تھی، بغاوت نہیں۔ اس جنگ کا فرمان بادشاہِ وقت بہادر شاہ ظفر نے جاری کیا تھا۔ جس میں تمام حریت پسندوں نے بلاتمیز رنگ و مذہب حصہ لیا تھا۔ ملک کا قومی حکمران اور پوری قوم اغیار کے خلاف جنگ لڑیں، اسے بغاوت نہیں کہا جاتا، بلکہ وہ آزادی کی جنگ ہوتی ہے۔ بغاوت تو قومی حکمران کے خلاف ہوتی ہے اور اس کا ارتکاب انگریز سامراج نے مغل بادشاہوں سے کیے ہوئے معاہدوں کو توڑ کر کیا تھا۔''

سوال: حضرت! 1946ء کے الیکشن کے بارے میں کچھ بتائیں!

حضرت اقدس: ''1946ء کے انتخابات میں کسی عام آدمی نے ووٹ نہیں دیا اور نہ ہی بالغ رائے دہی کے اصول پر یہ ووٹنگ ہوئی، بلکہ ووٹ کاسٹ کرنے کا حق صرف اسے تھا، جو بی اے پاس ہو یا ایک مقررہ زمین جائیداد کا مالک سرمایہ دار اور جاگیردار تھا۔ اس لیے اس کے نتائج بھی انھی سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے حق میں نکلے۔ جو عمل اچھا ہو، اس کے نتائج بھی اچھے نکلتے ہیں۔ اگر عمل کی بنیاد درست نہ ہو تو اس کے نتائج بھی درست نہیں ہوتے۔''

نمازِ مغرب کے بعد راقم کے گھر ہی خانقاہ کے معمولات کے مطابق ذکر اللہ کی مجلس منعقد ہوئی، جس میں علاقہ بھر کے احباب و متوسلین نے بھرپور شرکت کی۔ نمازِ عشا کے بعد کھانے کے لیے دسترخوان لگایا گیا۔ دسترخوان پر جتنے بھی کھانے چنے گئے، وہ تمام کے تمام مقامی احباب اپنے اپنے گھروں سے بنوا کر لائے تھے۔ جب حضرت اقدس کو اس بات کا علم ہوا تو بہت خوشی کا اظہار کیا اور ارشاد فرمایا کہ: ''یہ تو خانقاہی طریقۂ کار ہے۔ جب ہم رائے پور جاتے تھے تو وہاں اسی طرح رائے پور کے احباب اپنا اور چند مہمانوں کا کھانا اپنے گھروں سے لاتے تھے۔'' کھانے کے بعد حضرت اقدس کے ساتھ قصور کے مخصوص احباب سے مختصر نشست ہوئی۔ اس کے بعد جناب حافظ محمد شفیق اور جناب سید فاروق حسنین کی خواہش پر حضرت اقدس مدظلہ دعا کے لیے ان کے دفتر تشریف لے گئے، جہاں پر حضرت اقدس کے لیے چائے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ یہاں پر گفتگو کے دوران ایک سوال کے جواب میں حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا کہ: ''دین کے ایک داعی کو دعوت کے اصول پر کام کرنا چاہیے۔ دعوے نہیں کرنے چاہئیں۔ دعوت کا انداز ایسا ہونا چاہیے کہ مدعو خود سوچنے پر مجبور ہو جائے۔'' اس کے بعد حضرت اقدس نے دعا فرمائی۔ 10 بجے رات دوستوں نے حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ اور دیگر احباب کو قصور سے لاہور کے لیے رخصت کیا۔

(بقیہ: طلوعِ آفتابِ نبوت) وحیِ الٰہی کا نورِ مجسم، رحمتِ باری کا مہبطِ اعظم، بحرِ سخا، ابرِ کرم، پیکرِ ہدیٰ، صورتِ آدم، عالمِ وجود میں آیا اور اس نے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی) بشارت وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (6:61) (حضرت عیسیٰ نے ایک رسول کی بشارت دی کہ جو میرے بعد ہوگا اور اس کا نام احمد ہوگا۔) سے سرفراز ہو کر دنیا میں توحید کا علم بلند کیا اور سینکڑوں برس کے بھٹکے ہوئے غلاموں کو اُن کے حقیقی مالک اور آقا کے سامنے جھکا دیا۔ اور صدیوں کے بھولے ہوئے سبق کو یاد دلا کر دلوں کی بستی میں وہ آتشِ شوق بھڑکائی، جس نے کفر و شرک کی دنیا کو جلا کر آن کی آن میں خاکِ سیاہ کر دیا۔ اخوت و ہمدردی کا وہ رشتہ ''جو حرفِ غلط کی طرح دنیا میں مٹ چکا تھا'' اس کے ایک اشارۂ چشم و ابرو سے پھر استوار ہو گیا۔ دشمن دوست بنے اور بے گانوں میں یگانگت نے راہ پائی۔ بے راہوں نے راہ دیکھی اور بے چینوں کو چین نصیب ہوا۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَائِماً اَبَداً عَلٰی حَبِیْبِکَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعُصُر

بقیہ اظہارِ محبت کے تقاضے لیکن جب کہ تم اس ماہِ مبارک میں یہ سب کچھ کرتے ہو اور اس ماہ کے واقعۂ ولادت کی یاد میں خوشیاں مناتے ہو تو اس کی مسرتوں کے اندر تمھیں کبھی اپنا وہ ماتم بھی یاد آتا ہے، جس کے بغیر اب تمھاری خوشی نہیں ہوسکتی؟ کبھی تم نے اس حقیقت پر بھی غور کیا ہے کہ یہ کس کی پیدائش ہے، جس کی یاد کے لیے تم سروسامانِ جشن کرتے ہو؟ یہ کون تھا، جس کی ولادت کے تذکرے میں تمھارے لیے خوشیوں اور مسرتوں کا ایسا عزیز پیغام ہے؟ آہ! اگر اس مہینے کی آمد تمھارے لیے جشن و مسرت کا پیام ہے، کیوں کہ اسی مہینے میں وہ آیا، جس نے تم کو سب کچھ دیا تھا تو میرے لیے اس سے بڑھ کر اور کسی مہینے میں ماتم نہیں۔ کیوں کہ اس مہینے میں پیدا ہونے والے نے جو کچھ ہمیں دیا تھا، وہ سب کچھ ہم نے کھو دیا۔ اس لیے اگر یہ ماہ ایک طرف بخشنے والے کی یاد تازہ کرتا ہے تو دوسری طرف کھونے والوں کے زخم کو بھی تازہ ہو جانا چاہیے۔

تم اپنے گھروں کو مجلسوں سے آباد کرتے ہو، مگر تمھیں اپنے دل کی اُجڑی ہوئی بستی کی بھی کچھ خبر ہے؟ تم کافوری شمعوں کی قندیلیں روشن کرتے ہو، مگر اپنے دل کی اندھیاری کو دور کرنے کے لیے کوئی چراغ نہیں ڈھونڈتے؟ تم پھولوں کے گلدستے سجاتے ہو، مگر آہ! تمھارے اعمالِ حسنہ کا پھول مرجھا گیا ہے۔ تم گلاب کے چھینٹوں سے اپنے رومال و آستین کو معطر کرنا چاہتے ہو، مگر آہ! تمھاری غفلت کہ تمھاری عصمت اسلامی کی عطر بیزی سے دنیا کی مشامِ روح یکسر محروم ہے! کاش تمھاری مجلسیں تاریک ہوتیں، تمھارے اینٹ اور چونے کے مکانوں کو زینت کا ایک ذرّہ نصیب نہ ہوتا، تمھاری آنکھیں رات بھر مجلس آرائیوں میں نہ جاگتیں، تمھاری زبانوں سے ماہِ ربیع الاوّل کی ولادت کے لیے دنیا کچھ نہ سنتی، مگر تمھاری روح کی آبادی معمور ہوتی، تمھارے دل کی بستی نہ اُجڑتی، تمھارا طالع خفتہ (چھپا ہوا نصیبہ) بیدار ہوتا اور تمھاری زبانوں سے نہیں، مگر تمھارے اعمال کے اندر سے اسوۂ حسنہ نبوی کی مدح وثنا کے ترانے اُٹھتے۔

بقیہ مجالس اس کا رزق کیا ہوگا۔ اس کی عمر کتنی ہوگی۔ یہ نیک بخت ہوگا یا بدبخت ہوگا۔ جب فرشتہ روح پھونکتے وقت جن چار باتوں کا اعلان کر دیتا ہے اس میں رزق بھی شامل ہے۔ اور دین کے حوالے سے شقی اور سعید ہونا بھی ہے۔ اگر مقدر کی بات کرنی ہے تو جیسے رزق مقدر میں ہے تو ایسے ایمان بھی مقدر میں ہے۔ مسلمان کا تقدیر پر ایمان ہے کہ رزق مقدر سے ہے۔ اور ایمان کا تعلق بھی تقدیر سے ہے۔ تو کیا یہ تقدیر ہمیں رزق کمانے کے حوالے سے روکتی ہے؟ بلکہ رزق کمانے کے حوالے سے معاشی محنت کرنی پڑتی ہے۔ ایسے ہی دین مقدر سے ہے تو دعوت کا اتنا بڑا بکھیڑا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر مقدر میں دین ہوا تو از خود حاصل ہو جائے گا۔ اگر رزق بغیر محنت کے جو مقدر میں ہے، مل جائے گا۔ تو ایمان بھی جو مقدر میں ہوا تو مل جائے گا۔ اب دونوں میں تفریق کرنے کا کیا مطلب؟ اور اگر ایمان کے لیے محنت کرنے کی ضرورت ہے تو رزق حاصل کرنے کے لیے محنت کی ضرورت کیوں نہیں۔ پھر اس حدیث میں زیادہ سے زیادہ تو تقدیر اور تکوین کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ شریعت کا مسئلہ نہیں۔

شریعت یہ ہے کہ قرآن نے رزق کے حصول کے لیے کہا ہے کہ **وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ** (10:62) (اللہ کا رزق تلاش کرو)، یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ **اقیموا الصلوٰۃ** امر ہے۔ اسی طرح یہ کہ ''جب نماز پوری ہو جائے تو اس کی زمین میں رزق کے حصول کے لیے پھیل جاؤ''، مشقت کرو، تجارت کرو۔ کاروبار کرو۔ یہ بھی تو سب اجر ہے۔ اُس کو مقدر میں کیسے رکھا جا سکتا ہے۔ دین کے نام پر عجیب وغریب مغالطے پیدا کر دیے گئے ہیں۔ جب سے دعوتِ دین کی محنت باشعور اور فقہی بصیرت والے علما سے کٹی ہے اور جاہلوں کے قبضے میں آئی ہے، اس وقت سے یہ اُلٹے سیدھے تصورات پیدا ہو گئے ہیں۔

بقیہ حکایات اللہ اکبر! کتنے عظیم اور بلند اَخلاق تھے۔ ان اَخلاق سے ہدایت و شعور کی شمع کیوں نہ جلے۔ جب انسان اپنے علم کے ساتھ ساتھ اپنے عمل اور اَخلاق کی قوت کو بھی شامل کر دیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ انسانیت کے لیے ان کے علم کے نفع کو دو چند فرما دیتے ہیں۔ یہی حال ہمارے باعمل اور با اَخلاق بزرگوں کا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔

بقیہ حاجی امداد اللہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی ولی اللّٰہی افکار پر قائم کردہ اس جماعت نے ہندوستان کی آزادی کے حصول کے لیے منصوبہ بندی شروع کی۔ اس جماعت نے 1857ء کی جنگِ آزادی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ بلکہ یوں کہنا غلط نہ ہوگا کہ 1857ء کی جنگِ آزادی کی تاریخ حضرت حاجی امداد اللہؒ اور ان کی جماعت کے ذکر کے بغیر نامکمل ہے۔ انگریزوں کے خلاف جہادِ آزادی کی غرض سے تھانہ بھون کو ایک مرکز کی حیثیت دی گئی۔ حضرت حاجی امداد اللہؒ کو جماعت کا امیر مقرر کیا گیا۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حافظ ضامن شہیدؒ اور مولانا محمد منیر نانوتویؒ جیسے اکابرین کو فوج، حفاظت اور عدل وقانون وغیرہ کے شعبے سپرد کیے گئے۔ غرض یہ کہ جہاد کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ جنگِ آزادی میں اس ولی اللّٰہی تحریک نے منظم انداز سے کام کیا اور انگریزی فوج کو ناکوں چنے چبوائے اور انھیں تھانہ بھون اور شاملی کے محاذ پر ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس منظم جماعت نے بقول انگریز مؤرخین: ''بغاوت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ فوجی دستے کو شکست دی۔ قومی عمارات کو آزاد کروایا۔ اپنی آزاد اور قومی حکومت قائم کی وغیرہ وغیرہ۔'' لیکن مجموعی طور پر تحریک 1857ء کی ناکامی کے بعد حاجی امداد اللہؒ غیر معمولی مشکلات اور پریشانیاں برداشت کر کے 1276ھ/1859ء کو سندھ کے راستے سے کراچی پہنچے اور بحری راستے سے مکہ معظمہ کا رخ کیا۔ اور آخر دم تک ہندوستانی ولی اللّٰہی تحریک کی قیادت فرماتے رہے۔ حاجی امداد اللہؒ نے بھرپور عملی اور مثالی زندگی گزاری، جو آج ہم سب کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ آج برعظیم پاک و ہند کا ہر ذی علم آپ کو ''مجاہد آزادی'' کے خطاب سے یاد کرتا ہے۔ آپؒ کا وصال 84 سال کی عمر میں 12/ جمادالثانی 1317ھ/ 18/ اکتوبر 1899ء کو مکہ معظمہ میں ہوا۔ جنت المعلیٰ میں آپ کی تدفین ہوئی۔

www.rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

از مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب: سید مطلوب علی زیدی

سب سے اوّل مشیّت کے انوار سے نقشِ روئے محمدؐ بنایا گیا
پھر اسی نقش سے لے کے کچھ روشنی بزمِ کون و مکاں کو سجایا گیا

وہ چراغِ محبت جو روزِ ازل خلوت لا مکاں میں جلایا گیا
نور سے اس کے آخر جہاں کا جہاں ذرے ذرے کا دل جگمگایا گیا

وہ محمدؐ بھی احمدؐ بھی محمودؐ بھی ، حسن مطلق کا شاہد و مشہود بھی
علم و حکمت میں وہ غیرمحدود بھی ظاہراً اُمیوں میں اٹھایا گیا

حشر کا غم تجھے کس لیے ہو قاسمؔ ، تیرا آقا ہے وہ تیرا مولا ہے وہ
جس کے دامن میں جنت بچھائی گئی ، جس کے ہاتھوں کوثر لٹایا گیا

اَلم ناک سانحۂ پشاور

خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور (لاہور) کے مسند نشین حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری، ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور کے سرپرست ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن اور صدر مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی نے 16 دسمبر 2014ء کو ہونے والے اَلم ناک سانحۂ پشاور پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے شہدا کے خاندانوں اور متعلقین سے افسوس کا اظہار کیا ہے۔ نیز انھوں نے شہدا کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہوئے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ شہدائے سانحہ کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور سرزمین پاکستان کو قتل و غارت، دہشت گردی اور خانہ جنگی سے نجات عطا فرما کر عدل و انصاف اور امن و سلامتی کا گہوارہ بنائے۔ اور اس کی حفاظت فرمائے۔ آمین!

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از جناب مولانا مفتی عبدالقدیر شعبہ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال 1 میلاد کا مفہوم کیا ہے؟ میلاد کی محافل منعقد کرنا کارِ ثواب ہے یا بدعت؟

محمد شعیب، لاڑکانہ

جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے حالات بیان کرنے کو مولود یا میلاد کہتے ہیں۔ آپؐ کے حالات خواہ کسی قسم کے ہوں، ان کا بیان کرنا اور سننا موجبِ برکت اور ثواب ہے۔ لیکن اس میں جو بہت سی خرافات شامل ہوگئی ہیں، ان سے پرہیز کرنا چاہیے۔

سوال 2 آپ ﷺ کی سیرت ماہِ ربیع الاوّل میں بیان کی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں پیشہ ور نعت خوانوں اور واعظ حضرات کو بیان کے لیے بلوانا کیسا ہے؟ نواز احمد، اسلام آباد

جواب حضور اکرمؐ کے حالات پڑھنے اور سننے یا جاننے کا شوق ہو تو کسی سیرتِ نبویؐ کے متبع اور سنتِ نبویہ کے عالم ربانی کی کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔ اور صاحبِ نسبت عالم کا وعظ سنا جائے۔ مثلاً کتابوں میں حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ''سیرتِ رسول''، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کی ''سیرتِ رسول کریم'' اور حضرت مولانا محمد میاںؒ کی ''محمد رسول اللہ'' یا ''مختصر تاریخ اسلام'' از مولانا غلام رسول مہر وغیرہ مستند کتابیں ہیں۔ کسی پیشہ ور عالم یا نعت خواں کو بلانا درست نہیں، جو کہ اپنے نعت خوانی یا وعظ کے پیسے مقرر کر کے لیتے ہیں۔

سوال 3 کیا بارہ ربیع الاول حضورؐ کی وفات کا دن ہے ولادت کا؟ کیا اس دن کو حضور کی سالگرہ کے طور پر متعین کر کے اس میں جھنڈیاں لگانا، چراغاں کرنا یا لائٹنگ کرنا یہ درست عمل ہے یا نہیں؟

محمد سلیم، کوئٹہ

جواب محققین مؤرخین کے قول کے مطابق 9 ربیع الاوّل/20 اپریل 571 عیسوی آپؐ کی وِلادت کا دن ہے۔ اور 12 ربیع الاول آپؐ کی وفات کا دن ہے۔ آپؐ نے مختلف احادیث اور اقوال سے اس طرح دن منانے کو یہود و نصاریٰ کی روش قرار دیا ہے۔ اور اُمت کو ان سے منع کیا ہے کہ میرے ولادت یا وفات کے دنوں کو منایا جائے۔ نیز جھنڈیاں لگانا، قمقمے وغیرہ بھی اسراف کی مد میں آتا ہے، جس سے قرآن و سنت میں منع کیا گیا ہے۔ اس کی بجائے وہی پیسہ دین کے غلبے کے کاموں میں اور آپؐ کی سیرت کی اشاعت میں لگایا جانا چاہیے۔

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر (چشتیاں)
حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن (نوشہرہ)
حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالقادر دین پوری (بہاولنگر)
حضرت مولانا صاحبزادہ رشید احمد (ڈیرہ اسماعیل خان)
حضرت سید مطلوب علی زیدی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (سعودی عرب)
حضرت مولانا محمد اشرف اثر (حیدرآباد)
حضرت ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی (سکھر)
حضرت حاجی محمد بلال بلوچ (قاضی احمد)
محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ (سرگودھا)
محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی (کراچی)
حضرت مولانا عبداللہ عابد سندھی (شکارپور)
حضرت مولانا پروفیسر ڈاکٹر تاج افسر (اسلام آباد)
حضرت مولانا محمد ناصر عبدالعزیز (جھنگ)
حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال)
حضرت مولانا مفتی محمد انور شاہ (کوئٹہ)
محترم سید خالد ریاض بخاری (سعودی عرب)
محترم قاری محمد ایاز جدون (مانسہرہ)

پرچہ ہر ماہ کی 3 اور 4 تاریخ کو ارسال کر دیا جاتا ہے۔
ممبر شپ کی رقومات کی ترسیل بنام
''رحیمیہ لاہور'' میزان بینک قرطبہ چوک برانچ لاہور
اکاؤنٹ نمبر: 0219-0100328009 پر کریں!

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے
اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس
33/A کوئینز روڈ، لاہور سے جاری کیا۔